عبداللہ حسین کے ناولوں میں تاریخی شخصیات کا تذکرہ

طائبہ سہیل

Taiba Sohail

Lecturer (Visiting), Department of Urdu,
University of Education, Lahore.

ڈاکٹر محمد امجد عابد

Dr. Muhammad Amjad Abid

Lecturer, Department of Urdu,
University of Education, Lahore.

Abstract:

Abdullah Hussain is one of the most celebrated authors of Pakistani history. His novels are not only literary pieces but a complete panorama of 20th century. People illustrated in his novels are mostly not only realistic but even real.People accounted in his writings are either real or inspired by real persons, who have played important role in creation and turning tides of Sub-continent's history. His novels are a magnificent prospect of all the socio-political happenings of Pre-Partition era. He has kept his focus on registering the facts and urges his readers to also do so. This article cast a glance at his realistic approach towards characters in his novels.

عبداللہ حسین (١٩٣١ء-٢٠١٥ء) کے تخلیقی دور کا عروج وہ تھا جب پاکستان میں عدم استحکام کا دور دورہ تھا اور سیاسی صورت حال شدید انتشار کا شکار تھی۔ تقسیم کے ہنگامے، بعد از تقسیم بگڑی ہوئی سیاسی صورتحال، بھارت کے ساتھ مختلف جنگیں، مشرقی پاکستان کی علیحدگی پے در پے لگنے والے مارشل لا غرض بیسویں صدی کے آخر کی تمام ہی غایت ابتری کا شکار نظر آتی ہے۔ بڑے ادب کا خاصا ہے کہ وہ معاشرے

کی تبدیلیاں محسوس کرتا ہے اور عبداللہ حسین بلاشبہ بڑے ادیب تھی اسی لیے عبداللہ حسین کے ناول، ناول نہیں بلکہ مکمل تاریخی واردات کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ان کے تمام ہی ناول وہ جام جہاں نما ہیں جن میں قبل اور بعد از تقسیم ملک ہندوستان کا ہر باسی خود ابھر کر ہندوستان کی کہانی کہتا ہے۔عبداللہ حسین کے ادبی ورثے میں اداس نسلیں (١٩٦٣ء)، باگھ (١٩٨٢ء)،قید(١٩٨٩ء)، رات(١٩٩٤ء) اور نادار لوگ(١٩٩٦ء) شامل ہیں۔نشیب(١٩٨١ء) اور فریب(٢٠١٢ء) کی صورت انھوں نے خود کو بطور افسانہ نگار بھی متعارف کرایا اور لوہا منوایا۔وفات سے قبل وہ اپنے ناول آزاد لوگ پہ کام کر رہے تھے مگر شومئ قسمت کہ اس کے اختتام سے قبل ہی داعئ اجل کو لبیک کہہ کے چوراسی برس کی عمر میں راہی ملک عدم گیر ہو گئے۔

عبداللہ حسین کے ناول محض ناول نہیں بلکہ ایک پورا منظر نامہ ہیں جس میں شخصیات ،واقعات اور مقامات کا ایک لامتناہی سلسلہ دیکھنے میں آتا ہے۔بالخصوص شخصیات کی تعداد تو بلاشبہ بیسیوں کی تعداد میں ہیں جو زیادہ تر حقیقی اور تاریخی حیثیت رکھتی ہیں. کہانی کے کردار اور مقامات مکمل طور پر تخیل کے پیدا کردہ نہیں ہوتے، لکھنے والا ان کے لیے کہیں نہ کہیں سے تحرک ضرور قبول کرتا ہے اور اس خام کو تخیل سے گوندھ کر کردار تخلیق کرتا ہے. عبداللہ حسین کا خاصہ یہ ہے کہ وہ اس تخلیق میں حقیقت کو زیادہ جگہ دیتے ہیں۔ وہ اپنے ناولوں کے کرداروں کے لیے تحریک حقیقی شخصیات سے لیتے ہیں بلکہ اکثر اوقات تو انہیں بنا ردوبدل ہی کہانی کا حصہ بنا لیتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ان کے ناول حقیقت اور تاریخ نگاری کا بہترین امتزاج ہیں:

> "Udas Naslen deserves our attention for a variety of other reasons. First, it is interesting from a psychological point of view because the characters are complex and many-sided Secondly its description of land scope, people and events has a certain authenticity."(1)

عبداللہ حسین مرکزی کرداروں کی تشکیل کے لئے حقیقت سے تحریک لیتے ہیں تو بیسیوں ثانوی کرداروں کی تخلیق کرنے کے بجائے انہیں جوں کا توں کہانی کا حصہ بنا لیتے ہیں۔اسی سبب ان کے ناولوں میں ڈرامائیت کا عنصر کم سے کم ہے اسی لیے یہ ناول کالرج کے نظریۂ التواِ بے یقینی (suspension of disbelief)کا نمونہ ہیں۔ ناول کا حقیقت کا عکاس ہونا اور اس میں حقیقی واقعات کی شمولیت عام سی بات ہے تاہم کہانی میں حقیقی شخصیات کو اس طرح ضم کرنا کہ نہ وہ کہانی پر زبردستی مسلط کیے معلوم ہوں اور نہ

ہی کہانی کے ربط میں تعطل کا باعث ہوں بڑے ادب ہی کا خاصہ ہے. عبداللہ حسین بلاشبہ ان میں سے ایک ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کے ناولوں کے بیشتر کردار حقیقی ہیں۔ شخصیات کے ناموں کے حقیقی استعمال میں چونکہ بہت سی قباحتیں ہیں لہذا بیشتر ادبا مصلحتوں کے تحت شخصیات کے ناموں کے براہ راست استعمال سے گریز کرتے ہیں اور کرداروں ہی کے ذریعے قارئین کو ایسا نقشہ فراہم کرتے ہیں کہ پڑھنے والا ان تشبیہات سے حقیقت تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ رواج اردو ناول میں قطعاً نیا یا نرالا نہیں بلکہ پہلے ناول نگار مولوی نذیر احمد کے ناول ''ابن الوقت'' پر لوگ اسی نکتے کے تحت الزام لگاتے ہیں کہ انہوں نے ابن الوقت کے کردار کے ذریعے دراصل سر سید احمد خان کا خاکہ پیش کرکے ٹھٹھا اڑایا ہے۔ نذیر احمد کے بعد بھی ایسے کئی ناول ہیں جن میں ایسی حقیقی شخصیات جن پر گرفت کرنا یا ان سے اختلاف رائے کا اظہار مقصود تھا، کے حقیقی اسما کا استعمال نہیں کیا گیا بلکہ ان کے اوصاف پر مشتمل کردار تخلیق کر کے ان کو کنایۃً کہانی کا حصہ بنایا گیا جب کہ جن افراد کی عظمت یا سرسری تذکرہ درکار تھا (مثلاً قائداعظم، گاندھی، نہرو غیرہ) انھیں اکثر ادبا نے براہ راست ناول میں شامل کیا ہے. عبداللہ حسین نے اس رویے کے برعکس اپنے پہلے ناول میں تمام شخصیات کے براہ راست نام استعمال کیے ہیں لیکن ان کے تخلیقی سفر میں ایک واضح ارتقا دیکھنے میں آتا ہے. پہلے ناول اداس نسلیں کا سا بےباک انداز بتدریج کم ہوتے ہوتے قید اور رات جیسے ناولوں میں بالکل دھیما ہو جاتا ہے جہاں وہ براہ راست کسی شخص کو مخاطب نہیں کرتے بلکہ درونِ سطور ہی داخلی کرب اور انتشار کا اظہار کرتے ہیں. اداس نسلیں میں شخصیات کے براہِ راست حوالے مذکور ہیں تاہم اس کے برعکس دیگر ناولوں میں یہ خصوصیت بتدریج کم ہوتی چلی جاتی ہے .

اداس نسلیں کی کہانی کے پس منظر میں ایک پوری تاریخی واردات چھپی ہوئی ہے جو جنگ عظیم اوّل سے شروع ہو کر بالآخر قیام پاکستان پر منتج ہوتی ہے۔ اس تاریخی واردات کے بیان کے لیے عبداللہ حسین نے واقعات کا عمیق نظری سے جائزہ لیا اور ان کے تاریخی استناد کو ہی بنیادی نکتہ مانتے ہوئے شخصیات کے اندراج کو حقیقت سے قریب ترین رکھا. ان حقیقی شخصیات کی ترتیب وار مدد سے تقریباً نصف صدی پر پھیلے اس دور میں پیش آنے والے تاریخی واقعات کا پرت در پرت تانا بانا بُنا گیا ہے۔ ان افراد میں اینی بیسنٹ، کرشن گوپال گوکھلے، مادام ہیلینا بلیوٹسکی، بال گنگا دھر تلک، موتی لال نہرو، جواہر لال نہرو، لارڈ ماؤنٹ بیٹن، مولانا محمد علی جوہر، آغا خان سوئم، سر محمد شفیع، لالہ لاجپت رائے، جنرل ریجلنڈ ڈائر اور محمد علی جناح سمیت کئی اہم شخصیات مذکور ہیں۔یہ ناول بلا مبالغہ اپنے پورے عہد کا نقیب ہے۔ اگرچہ عبداللہ حسین اپنے ناولوں کے تاریخی ہونے سے انکاری ہیں لیکن اس کے باوجود ان کے نقاد اور قارئین انھیں اس چھاپ

سے رہائی دینے پر بالکل آمادہ نظر نہیں آتے۔بالخصوص اداس نسلیں کو ہمیشہ ایک تاریخی ناول کے طور پر جانچا جاتا رہا ہے اور اس میں موجود تاریخی شخصیات کا ہجوم اس پر مزید مہر ثبت کرتا ہے۔ان کے ناولوں کے اشخاص کی کردار سازی میں مستند شخصیات نے اہم رول ادا کیا ہے۔ عبداللہ حسین کے ہاں اداس نسلیں کے بعد جو ادبی تعطل دکھائی دیتا ہے اس میں فکری تغیرات کے متوازی ان کا فن بھی مزید پختہ ہوا. ایک اہم تبدیلی جو رونما ہوئی وہ یہ تھی کہ انہوں نے شخصیات کے اسما کے براہ راست استعمال سے اجتناب برتنا شروع کردیا. اداس نسلیں کے بعد کے ناولوں مثلا ١٩٨٢ میں سامنے آئے "باگھ" میں وہ شخصیات کے براہ راست نام بالکل استعمال نہیں کرتے.

عبداللہ حسین کا تیسرا ناول "قید" ١٩٨٩ میں سامنے آیا۔مختصر کینوس کا یہ ناول بین السطور عصری شعور کا حامل ہے۔ناول رات میں بھلے ہی تاریخی حوالے مفقود ہیں تاہم کردار حقیقی کرداروں ہی کا پرتو لگتے ہیں۔عبداللہ حسین کا آخری ناول "نادار لوگ" ١٩٩٦ میں منظر عام پر آیا۔یہ ناول محض سقوط ڈھاکہ کا المیہ نہیں بلکہ وہ جامِ جہاں نما ہے جس کا مصنف تاریخ کی فاش غلطیوں کو کسی صورت معاف نہیں کرتا۔ ناول کا موضوع بعد از تقسیم پاکستان کا سیاسی و عصری منظر نامہ ہے جو ١٩٦٥ء کی جنگ اور ١٩٧١ءمیں پاکستان کی دولختی پر گہری نظر رکھتا ہوا بالآخر بلوچستان آپریشن پر انجام پذیر ہوتا ہے۔عبداللہ حسین کے سبھی ناولوں کے سبھی کردار احتجاج کا استعارہ بن کر سامنے آتے ہیں۔ یہ کردار کوئی مثالی انسان نہیں بلکہ ان میں وہ تمام شخصی برائیاں موجود ہیں جو عام انسانوں میں ہوتی ہیں۔ یہ عموماً اعلی اخلاق رکھنے کے باوجود کہیں نہ کہیں گراوٹ کا شکار بھی دکھائی دیتے ہیں اور اپنے تمام بلند و بالا دعوؤں کے باوجود چھل کپٹ اور بے راہ روی کا شکار بھی ہو جاتے ہیں اور شرم ناک باتیں سوچنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے۔ یہ افراد چونکہ معاشرے میں رہتے ہیں لہذا ان کا واسطہ حقیقت سے رہتا ہے. معاشرے کی کارگزاری ان پر فرق ڈالتی ہے اور وہ گاہے بگاہے اہم شخصیات سے بھی متعارف ہوتے رہتے ہیں۔ اپنے کرداروں کی بہتر تفہیم کے لیے عبداللہ حسین نے معاشرے کے حقیقی مرقعے دکھانے کی کوشش میں کئی حقیقی شخصیات کا تذکرہ کیا ہے۔ برصغیر کے پس منظر میں لکھے جانے کے سبب ان ناولوں میں مذکور زیادہ تر شخصیات اور مقامات برصغیر ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ شخصیات محض پس منظر تک محدود رہتی ہیں اور جھلک دکھا کر غائب ہو جاتی ہیں ناول کی کہانی سے ان کا بلواسطہ یا بلاواسطہ کوئی تعلق نہیں تاہم معاشرے پر ان کے رسوخ اور فرد پر ان کی گرفت کے سبب ان کی تاریخی حیثیت اور حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ان ہی افراد میں ایک اہم نام سر آغا خان سوئم کا ہے۔ہندوستان اور پاکستان میں سر آغا خان سلطان محمود شاہ کے نام سے کئی ادارے قائم ہیں۔ان کے

خاندان کو بالخصوص آغا خان سوئم سر سلطان محمود شاہ کو معاشرتی اعتبار سے اپنے معاصرین اور پیش رو قرابت داروں پر واضح فوقیت حاصل تھی۔ سر آغا خان سوئم کو ہندوستانی سیاست میں بھی اہم دخل تھا۔ بطور مسلم لیگ کے پہلے صدر اور بانی یہ اہمیت مزید دو چند ہو جاتی ہے۔ ۱۹۲۸ءمیں ہونے والی آل پارٹیز مسلم کانفرنس سر آغا خان کی زیر صدارت ہونے کے سبب اس کانفرنس کا چرچا ایوان حکومت تک ہوا۔عبداللہ حسین نے اداس نسلیں میں اسی کانفرنس کے حوالے سے حقیقی ناموں کے ساتھ پورا وقوعہ (account) درج کیا ہے۔سیاست کے علاوہ آغا خان مذہبی طور پر بھی اہم شخصیت تھے جو قریباً ۷۲ برس تک اسماعیلی فرقے کے اڑتالیسویں امام کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیتے رہے۔

اینی بیسنٹ (Annie besant) کانگریس کی معروف رکن اور تھیوسوفیکل سوسائٹی کی سرکردہ رہنما تھیں. ہوم رول لیگ (نوآبادیاتی علاقوں میں مقامی باشندوں کی حکومت) کی حمایت پر انہیں پابند سلاسل بھی کیا گیا. اینی بیسنٹ نے اپنے ادبی سرمائے میں تقریبا تین سو کتب چھوڑی ہیں. بنارس ہندو یونیورسٹی کے قیام کا سہرا بھی انہی کے سر ہے. انھوں نے مادام بلیوٹسکی سے بہت سے اثرات قبول کیے اور اسی ضمن میں ۱۸۹۰ء کی دہائی میں ہندوستان آ بسیں. ہندوستانی سیاست میں وارد ہونے کے بعد اینی بیسٹ نے ایلن او ہیوم (Allan Octavian Hume)کی قائم کردہ انڈین نیشنل کانگریس میں شمولیت اختیار کر لی اور ۱۹۱۷ء میں رہائی کے بعد انھیں کانگریس کی صدر بھی چن لیا گیا۔اینی بیسنٹ کا ذکر عبداللہ حسین اداس نسلیں کے آغاز ہی میں نعیم کی زبانی کرتے ہیں اور جو حلیہ عبداللہ حسین نے بیان کیا ہے بلا کم و کاست آخیر عمر میں وہی ان کا حقیقی حلیہ بھی تھا.

> "نعیم نے اکتا کر سننا چھوڑ دیا. اس کی سمجھ میں اس گفتگو کا ایک لفظ نہ آیا تھا، لیکن وہ مسز بیسنٹ پر سے نظریں نہ ہٹا سکا. اس کے سر پر برف ایسے سفید بالوں کی ٹوپی سی بنی ہوئی تھی اور اس کی آواز نعیم نے سوچا، شاید دنیا کی خوبصورت ترین آواز تھی. اپنی عمر کے باوجود وہ بڑی پرکشش عورت تھی۔"(۲)

اینی بیسنٹ کی فکر رہنما ہیلینا بلیوٹسکی کا ذکر بھی اس ناول میں ملتا ہے۔روسی نژاد مادام بلیوٹسکی کے مذہبی عقائد نے ہندوستان میں تیزی سے مقبولیت حاصل کی۔ بلیوٹسکی نے ۱۸۷۵ءمیں ولیم جج اور آلکاٹ کے ساتھ مل کے تھیوسوفیکل سوسائٹی کی بنیاد رکھی۔عبداللہ حسین نے مادام بلیوٹسکی کی اہمیت کے پیش نظر ان کا ناول میں ذکر تو کیا ہے لیکن یہ ذکر نام کی حد تک محدود اور غائبانہ ہے۔اقتباس دیکھیے:

"مسٹر بیگ" اس بات پر میں میڈم بلیوٹسکی سے متفق نہیں ہوں" اینی بیسنٹ کہہ رہی تھیں۔"وہ کہتی ہیں کہ ستاروں کی دنیا میں جو وجود ہیں وہ محض روحیں ہیں اور یہ کہ وہ مادی نہیں ہیں' وہ انہیں مابعد الطبیعاتی طور پر ثابت کرنا چاہتی ہیں.... اور یہ کہ طبیعات کے اطلاق سے تھیوسوفی کی تھیوری پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔"(۳)

ہندو انتہا پسند سیاسی رہنما بال گنگا دھر تلک کی تمام زندگی تنازعات میں گھری رہی. اپنی انتہا پسندی کے سب تلک کو قید کر دیا گیا تھا. تلک کی پُر تشدد کارروائیوں اور انتہا پسند تعلیمات کی وجہ سے ۱۸۹۷ء میں دو انگریزوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا. اس سے پیدا ہونے والی بدامنی کو روکنے کے لیے لوک مانیے تلک کو گرفتار کر لیا گیا. تلک کے شروع کردہ 'سواراج' کے تحت انگریزی مصنوعات کا بائیکاٹ ہی نہیں کیا گیا بلکہ اس کی مخالفت کرنے والوں کے لیے بھی مشکلات کھڑی کی گئیں. عبداللہ حسین نے تلک کا ذکر محض غائبانہ ہی کیا ہے لیکن اس ذکر میں اپنے زمانے میں تلک کی مخالفت اور تمام تر ریشہ دوانیوں کی سرسری جھلک ضرور ملتی ہے. اقتباس دیکھیے:

"میں نے آپ کو بات کرتے سنا جب آپ تلک کے متعلق کچھ کہہ رہے تھے۔"

"اس نے دیکھا یہ وہی قصہ گو انگریز تھا جو کچھ دیر پہلے اپنے ساتھیوں کے سامنے جنگلی جانور کی طرح چکر لگا رہا تھا. وہ پھر بولا: کیا آپ کو پتا ہے تلک نے مسلمانوں کے خلاف کیا کچھ کیا؟ وہ ذبیحہ گاؤ کے خلاف سوسائٹی اور مسجد کے سامنے باجا بجانے پر اصرار...... اور وہ سب۔"(۴)

عبداللہ حسین نے انتہائی اختصار کے ساتھ محض دو جگہ تلک کا ذکر کیا ہے تاہم اس سے ہی تلک کی شخصیت کی تمام جہتیں بشمول اس کے سیاسی سفر کی کئی پرتیں بے نقاب ہوتی ہیں. بھارت کے پہلے وزیراعظم اور قریباً ریاست کے ہر معاملے میں دخیل جواہر لال نہرو پورا نہرو خاندان قریب سات پیڑیوں سے ہندوستان کی سیاست میں شامل ہے. نہرو خاندان کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آج بھی بھارت میں کانگریس کی قیادت اسی خاندان کے ہاتھ میں ہے. جواہر لال نہرو نے ۱۹۱۲ء میں اپنے سیاسی سفر کا آغاز کیا اور جلد ہی گاندھی کے ساتھ مل کر تحریک آزادی کے لیے راہ ہموار کرنا شروع کر دی۔ گوکھلے جو انگریز سرپرستی کے حامی تھے کے برعکس، نہرو نے کھلم کھلا انگریزی تسلط کی مخالفت کی بعدازاں ۱۹۱۵ء میں گوکھلے

کی وفات کے بعد تلک اور اینی بیسنٹ نے کانگریس کی باگ ڈور سنبھالی تو نہرو کے نظریات کی مزید اشاعت ہوئی۔ بالخصوص انی بیسنٹ کے ہوم رول لیگ نے نہرو پر گہرے اثرات مرتب کیے. تحریک عدم تعاون کا آغاز اور ترویج کے بھی نہرو پُرجوش اور زبردست حامی تھے۔ جواہر لال نہرو ہی کی ایما اور دباؤ پر گاندھی نے ۱۹۲۸ء میں ہندوستان سے انگریزوں کے انخلا کے حوالے سے قرارداد کی منظوری دی۔ عبداللہ حسین نے جواہر لال نہرو کا ذکر ان کے والد موتی لعل نہرو کے توسط اور ایک مرتبہ سرسری ذکر ۳ جون منصوبے کے حوالے سے کیا ہے۔

پاکستانی سیاست میں ذوالفقار علی بھٹو کا نام کسی تعارف کا قطعی محتاج نہیں. بھٹو پیدائشی زمیندار اور سندھی رئیس تھے جنھوں نے برکلے یونیورسٹی سے بار ایٹ لا کیا اور پاکستانی سیاست کا حصہ بنے۔ سیاسی سازشوں کی نذر ہو کر نہ صرف ان کا اقتدار ختم ہو گیا بلکہ ۱۹۷۹ میں انھیں پھانسی بھی دے دی گئی۔ عبداللہ اسی نے اپنے ناول نادار لوگ میں کئی جگہ ذوالفقار علی بھٹو کا ذکر کیا ہے۔ ادبی مصلحتوں کے تحت انہوں نے کسی بھی جگہ بھٹو کا نام براہ راست استعمال نہیں کیا تاہم جو خصائل اور عادات انہوں نے اپنے ناول میں دکھائی ہیں وہ ذوالفقار علی بھٹو ہی کی ہیں۔ مثلاً یہ اقتباس دیکھیے:

> ”بھائی جہانگیر تمھیں اِس بات کی سمجھ نہیں آئے گی۔“
>
> ”کیوں؟“
>
> ”اِس کی سمجھ صرف غریبوں کو آتی ہے۔“
>
> جہانگیر قہقہا لگا کر ہنسا”کیا تم واقعی اعتقاد رکھتے ہو کہ ایک بہت بڑا جاگیردار غریبوں کا ہمدرد ہو سکتا ہے؟“(۵)

پاکستان کی سیاسی تاریخ اور ناول کے سنِ تصنیف کو مدنظر رکھا جائے تو اس تاریخ پر بھٹو ہی پورا اترتے ہیں۔ اب ذرا ایک جلسے کا درج ذیل منظر بھی دیکھیے جو واضح طور پر بھٹو کے متعلق لکھا گیا ہے:

> ”یہ لوگ اَپنے محبوب لیڈر کو دیکھنے آئے تھے جسے ایک فوجی ڈکٹیٹر نے جیل میں ڈال دیا تھا، اور جَب وہ ڈِکٹیٹر دسبردار ہوا تو دوسرے فوجی ڈکٹیٹر نے اُسے چھوڑ دیا تھا۔“(۶)

عبداللہ حسین نے ”جیوے ای جیوے“ اور ”زندہ باد“ جیسے نعروں کا بھی استعمال کیا ہے جو اس زمانے میں صرف بھٹو سے منسوب تھے. بھٹو کی خود ساختہ سول مارشل لا ایڈمنسٹریٹری کے متعلق بھی عبداللہ حسین نادار لوگ میں ذکر کرتے ہیں۔

جلیانوالہ باغ سانحے کے پس منظر میں عبداللہ حسین نے جنرل ڈائر کے کردار کو بھی کہانی کا حصہ بنایا ہے۔ جنرل ڈائر نہ صرف امرتسر سانحے کا مرکزی کردار تھا بلکہ اس نے مجموعی طور پر ہمیشہ ہی مقامی ہندوستانیوں کی طرف حقارت آمیز رویہ بھی روا رکھا اور سینکڑوں ہندوستانیوں کا قتل عام کر کے برطانوی راج کے تابوت میں آخری کیل گاڑا۔ ۱۳ اپریل ۱۹۱۹ء کو امرتسر میں واقع جلیانوالہ باغ میں لوگ پرامن احتجاج اور سال نو کی تقریبات کے لیے جمع ہوئے لیکن گورنر پنجاب مائیکل او ڈائر جنہیں ہر ہندوستانی باغی اور آپس کی ہر ملاقات سازش کا اڈہ معلوم ہوتی تھی کو یہ احتجاج نہایت گراں گزرا اور انہوں نے ان مظاہرین کو سبق سکھانے کے لیے فوجی بریگیڈیئر جنرل ریجنلڈ ایڈورڈ ہیری ڈائر کو جو اپنی ہندوستان دشمنی کے لیے مشہور تھا، جالندھر سے بلوا کر ان کی سرکوبی کے لیے بھیجا. جنرل ڈائر کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ وہ مظاہرین کو منتشر کرنے کے لیے کسی بھی قسم کی پر تشدد کارروائی کرسکتا ہے. ڈائر پہلے ہی ہندوستانیوں کے خلاف تھا اسے اس اختیار میں اپنی منشا پوری کرنے کا موقع مل گیا چنانچہ اس نے باغ کی مرکزی داخلہ گاہ سے نہتے شہریوں پر جن میں کئی شیر خوار بچے بھی شامل تھے کسی قسم کے انتباہ کے بغیر بے دریغ گولی چلانے کا حکم دے دیا. انسانی سمندر پل کے پل میں خون اور چیتھڑوں کے ڈھیر میں تبدیل ہو گیا. اس تمام واقعے کا کلیدی کردار جنرل ڈائر ہی تھا۔اس سانحے میں قریب چار سو افراد (بہ مطابق حکومتی اعدادوشمار) کو براہ راست قتل کیا گیا تھا۔عبداللہ حسین نے اس وقوعے کو تفصیل سے اداس نسلیں میں بیان کیا ہے جس میں جنرل ڈائر کا ذکر کیا گیا ہے۔عبداللہ حسین نے مسلمانوں کے مربی سر سید احمد خان کا ذکر نہایت سرسری انداز میں مگر براہ راست کیا ہے اقتباس دیکھیے:

> ”میں سر سید احمد خان کی تصویر سے واقف تھا. آسمان پر اللہ تعالی کی جو صورت میرے ذہن میں تھی وہ سر سید احمد خان سے ملتی جلتی تھی. اس روز میں اللہ میاں اور سرسید کے بیچ کی شکل والے مولانا بھاشانی کی آمد کا منتظر تھا۔“(۷)

عبد الحمید خان بھاشانی بنگالی نژاد پاکستانی سیاسی رہنما تھےجنھوں نے بنگلہ دیش کے قیام میں کلیدی کردار ادا کیا۔ شیخ الہند محمود الحسن کے زیر سایہ دیوبندی جماعت کے مذہبی نظریات کا پرچار کرنے والے عبدالحمید بھاشانی کا بھی ناول نادار لوگ میں براہ راست ذکر کیا گیا ہے۔ اقتباس دیکھیے :

> ”مولانا بھاشانی کو دیکھ کر مُجھے سخت مایوسی ہوئی.... اس شخص کی تھوڑی پہ چند بال تھے جِن میں تقریباً آدھے سفید اَور باقی کے مہندی لگے سُرخ رنگ کے

تھے، جلد جلی ہوئی سیاہ جسم گٹھا ہُوا مضبوط اور موٹا تھا. لباس کے نام کی ایک دھاری دار قمیض اَور ٹخنوں سے اُونچی ہلکی سی لنگی تھی. پاؤں میں ہوائی چپل اَور ہاتھ میں لمبا سا لکڑی کا ڈنڈا تھا. پہلی نظر میں یہ آدمی حلیے سے کوئی کھیت مزدور دِکھائی دیتا تھا۔۔ان میں ایک پُر اعتماد سادگی تھی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ گویا ساری دنیا اِس آدمی کی اپنی ہی ملکیت میں تھی۔"(۸)

مولانا بھاشانی کی شخصیت اور ذاتی زندگی کے مطالعے سے عبداللہ حسین کی اس سراپا نگاری پر مہر ثبت ہو جاتی ہے۔ انھوں نے مولانا کا جو نقشہ پیش کیا ہے وہ درست ہے۔ان کی آواز کے متعلق عبداللہ حسین کا بیان مولانا بھاشانی کے دستیاب شدہ خطابوں اور دیگر ذرائع سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا کی آواز قریب قریب ایسی ہی تھی۔ ماسوائے ریڈیو خطابوں کے جن میں ان کی آواز قدرے مختلف ہے۔مولانا بھاشانی کے ظاہری حلیے کے علاوہ عبداللہ حسین نے ان کے نظریات پر کسی قسم کی دلالت نہیں کی. یہاں تک کہ ان کی زبان سے ایک جملہ بھی نہیں کہلایا تاہم ان کا ذکر حقیقی نام ہی سے کیا گیا ہے۔

گوپال کرشن گوکھلے برصغیر پاک و ہند کے سیاسی رہنما تھے جن کے سر مجلس خدام ہند (servants of India Society)کے قیام کا سہرا ہے۔آزادیٔ ہند کی تحریک میں انھوں نے گراں قدر خدمات سر انجام دِیں۔ گوکھلے کی سیاسی وابستگی کانگریس کے ساتھ تھی جس میں انھوں نے ۱۸۸۹ء میں شمولیت اختیار کی تھی۔اینی بیسنٹ کی طرح گوکھلے بھی ہوم رول کے حق میں تھے اور کئی برس تک اس کے لیے جدوجہد کرتے رہے۔کانگریس کے جوائنٹ سیکریٹری کی حیثیت سے انھوں نے مقامی آبادی کی فلاح کے لیے قابل ذکر کام کیا۔ بعد ازاں ان کی قومی خدمات کے صلے میں انھیں ۱۹۰۵ء میں انڈین نیشنل کانگریس کی صدارت سونپ دی گئی۔ گوکھلے کی قائم کردہ مجلس خدام ہند اب بھی بھارت میں مختصر پیمانے پر فعال ہے۔ عبداللہ حسین گوکھلے کا ذکر اینی بیسنٹ اور تلک کے ساتھ روشن محل کی ایک تقریب میں کرتے ہیں. تلک کے حامی اور تحریک آزادی کے پرجوش رہنما لالہ لاجپت رائے ۱۹۰۲ء میں ہونے والی بنگال تقسیم کی مخالفت کرنے والے ہندوؤں میں سرِفہرست تھے۔ ۱۹۲۱ء میں پرنس آف ویلز کی ہندوستان آمد کے موقع پر انھوں نے پُرتشدد کارروائیوں میں تلک کا بھرپور ساتھ دیا. ان تمام اشخاص کا تلک اور دیگر رہنماؤں ہی کی طرح اداس نسلیں میں سرسری ذکر ملتا ہے۔

ہندوستان کے آخری وائسرائے لوئس ماؤنٹ بیٹن شاہی خاندان سے تعلق رکھنے کی بنا پر سیاسی لحاظ سے طاقتور اور مضبوط حکمران تھے جو بعد ازاں ہندوستان کے پہلے گورنر جنرل بھی بنے. ہندو مسلم اتحاد اور

تاجِ برطانیہ کی برقراری کی تمام کوششیں ناکام ہونے پر یہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن ہی تھے جنھوں نے ۳ جون منصوبے کی منظوری دی جس کے نتیجے میں تقسیم عمل میں آئی۔ عبداللہ حسین نے اپنی تاریخی بصیرت کا ثبوت دیتے ہوئے اسی پہلو کو دکھانا ملحوظ خاطر رکھا اور ۳ جون منصوبے کے تناظر میں ہی ماؤنٹ بیٹن کا حوالہ دیا ہے۔ اقتباس ملاحظہ کیجیے:

> ’’ہند کی مکمل آزادی کے لیے آخری گفت و شنید ہو رہی تھی. لارڈ مونٹ بیٹن اٹھارہ اٹھارہ گھنٹے پارلیمنٹ میں اور گورنر جنرل ہاؤس میں کانفرنسیں بلاتے رہتے تھے اور ملک بھر سے سول نافرمانی کی تحریک کی دہشت ناک خبریں وصول ہوتی رہتی تھیں. ملک کی دونوں بڑی پارٹیوں، کانگرس اور مسلم لیگ کے لیڈر دلّی میں جمع تھے اور وائسرائے مونٹ بیٹن سے ملنے میں مصروف تھے. ہر طرف عجیب افراتفری کا عالم تھا۔‘‘(۹)

فیلڈ مارشل ایوب خان پاکستان کے پہلے آمر حکمران تھے جنھوں نے ۱۹۵۸ء میں مسند صدارت سنبھالا. پختون قوم سے تعلق رکھنے والے ایوب خان نے برطانوی راج میں فوجی خدمات سر انجام دیں اور جنگ عظیم دوم میں برما کے محاذ پر برطانوی افواج کے لیے خدمات فراہم کیں۔ قیام پاکستان کے بعد ایوب خان نے پاکستانی فوج میں شمولیت اختیار کر لی اور ترقی پاتے ہوئے کمانڈر انچیف کے عہدے تک جا پہنچے اور بعدازاں ملک کے پہلے آمر صدر بننے کے بعد نو سال تک تقریباً دس کروڑ عوام کے سیاہ و سفید کے مالک بنے رہے۔ جس طرح وہ برسرِ اقتدار آئے تھے اسی طرح ۱۹۶۹ء میں چور راستے سے تختہ الٹ کر انہیں بھی صدارت سے بے دخل کر دیا گیا۔

عبداللہ حسین نے اس مارشل لاء کا ذکر کئی جگہوں پر نادار لوگ میں کیا ہے۔ایوب خان کی سیاسی زندگی سے قطع نظر ان کی ذاتی زندگی کے حوالے سے جو ذکر کیا گیا ہے وہ تاریخی حوالے سے بالکل درست ہے۔تاہم ایوب خان کے متعلق ماسوائے چند ایک جگہ کے براہ راست لکھنے سے احتراز برتا ہے. وہ کنایۃً تو اس کا ذکر کرتے ہیں لیکن براہِ راست نہیں کرتے۔ تحریک آزادی کے سرکردہ رہنما اور کارکن سر محمد شفیع کا شمار اپنے دور کے چوٹی کے وکلا میں کیا جاتا تھا۔ انھیں ہندوستان کی سیاست میں کلیدی اہمیت حاصل تھی۔ ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ کا قیام ہو یا شملہ معاہدہ یا پھر پہلی گول میز کانفرنس تمام اہم سیاسی واقعات میں ان کی شمولیت ان کی اہم سیاسی حیثیت کی دلیل ہے۔۱۹۲۸ء میں منعقد ہونے والی آل پارٹیز مسلم کانفرنس میں سر محمد شفیع نہ صرف شریک ہوئے بلکہ قائد اعظم کے چودہ نکات کی پیشگی کے وقت بھی شامل رہے. دیگر مسلم

لیگی رہنماوں کی طرح عبداللہ حسین نے ان کا بھی ثانوی انداز میں ذکر کیا ہے۔

پاکستان کے چھٹے صدر اور تیسرے آمر حکمران ضیاء الحق کا ذکر عبداللہ حسین نے براہ راست تو نہیں کیا تاہم ان کا ناول" قید" (١٩٨٩ء) ضیاء الحق کی اسلامائزیشن ہی کے گرد گھومتا ہے۔ کراچی میں ایک نومولود بچے کے نمازیوں کے ہاتھوں قتل کا دلخراش واقعہ جو اسی دور میں پیش آیا اس ناول کے قصے کی بنیاد بنا. گو اس ناول میں براہ راست تاریخی حوالے یا ضیاءالحق کا تذکرہ نہیں کیا گیا تاہم بین السطور انداز میں اس واقعے اور اس وقت کے معاشرے میں بڑھتے ہوئے دہشت پسندی کے رجحان کا ذکر کیا گیا ہے۔

محمد علی جناح بلاشبہ ہندوستان کے مسلمانوں کے مسیحا تھے جن کی کوششوں سے پاکستان دنیا کے نقشے پر ابھرا اور مسلمانانِ ہند کو اپنی پہچان ملی. عبداللہ حسین نے قائداعظم کے نظریات کا مفصل تذکرہ اپنے ناولوں میں کہیں نہیں کیا تاہم ٣ جون منصوبے کے حوالے سے ان کا ذکر اداس نسلیں میں شامل ہے. مزید برآں یہ کہ تقسیم کے جس سانحے کا ذکر عبداللہ حسین نے کیا ہے اُس کے تناظر میں قائداعظم کا تاریخی کردار فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ تحریک آزادیٔ ہند ہی کے سرگرم رہنما رئیس الاحرار مولانا محمد علی نے پاکستان کی تشکیل میں اہم کردار نبھایا۔ ١٩٠٦ء میں جب مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا تو مولانا محمد علی اس اجلاس میں نا صرف شریک تھے بلکہ ١٩١٨ء تک اس کے صدر بھی رہے۔ ١٩١٩ء میں انھوں نے اپنے بھائی مولانا شوکت علی اور عبدالکلام آزاد کی معیت میں تحریک خلافت کا آغاز کیا جس تحریک کا مقصد ترک رہنما مصطفی کمال اتاترک کو عثمانی خلیفہ مہمد عبدالوحید کو مسند خلافت سے برطرف کرنے سے روکنا تھا تاہم یہ مہم شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکی. اداس نسلیں میں عبداللہ حسین نے اسی کانفرنس میں محمد علی کی شرکت اور شعلہ بیانی کا تذکرہ کیا ہے۔

> "مولانا محمد علی کود کر سٹیج پر چڑھے اور اپنے مخصوص جوشیلے انداز میں اسے پرے دھکیل کر مائکروفون پر قبضہ جما لیا۔
> "لیکن اس طرح ہم جائنٹ الیکٹرکیٹ کو قبول نہیں کر سکتے" انہوں نے کہنا شروع کیا۔"(١٠)

ہندو رہنما موہن داس کرم چند گاندھی انگلستان سے تعلیم یافتہ وکیل تھے جو ١٨٩٣ءء میں ساؤتھ افریقہ چلے گئے اور بائیس سال وہیں سکونت پذیر رہے۔وطن واپسی پر جس ہندوستان سے ان کا سابقہ پڑا وہ اس ہندوستان سے بالکل الگ تھا جسے وہ اوائل جوانی میں چھوڑ کر گئے تھے۔اب جس ہندوستان کو وہ دیکھ رہے تھے سیاسی طور پر بالیدہ ہو چکا تھا۔١٩١٩ء میں تحریک خلافت کا ظہور، گاندھی کی اس میں شمولیت اور

بعدازاں اس کی ناکامی کے بعد گاندھی کی بطور سیاسی رہنما ایک واضح پہچان ابھر کر سامنے آئی جس نے انہیں مہاتما گاندھی بنا دیا۔عبداللہ حسین نے اداس نسلیں میں نمک مارچ کے حوالے سے ان کا تذکرہ کیا ہے۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

”اسی سال چھ اپریل کو ڈنڈی ساحل پر مہاتما گاندھی نے نمک سازی کا قانون توڑ کر سول نافرمانی کا آغاز کیا۔“(١١)

رنجیت سنگھ کو سکھوں کا عظیم سورما اور نامی گرامی جنگی کمانڈر کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔مغل حکومت کی اندرونی کمزوریوں کی وجہ سے افغانوں اور سکھوں کی حکومت کو جو تقویت ملی اس کا ایک سرا رنجیت سنگھ نے تھاما اور راج دھانی کے سنگھاسن پر براجمان ہو گیا۔لاہور سے کشمیر تک کا علاقہ اس کے زیر نگیں تھا یہ تسلط بعدازاں امرتسر کے گردونواح تک پھیل گیا۔ ١٨٠٩ء میں لارڈ منٹو نے رنجیت سنگھ کی بڑھتی ہوئی ریشہ دوانیوں کے سبب اس کو فوجی طاقت سے کچلنے کا فیصلہ کیا نتیجتاً رنجیت سنگھ انگریزوں کے زیر سایہ آ گیا اور بتدریج کم ہوتے ہوتے اس کے اختیارات اور علاقہ نہایت مختصر رہ گیا۔اس زوال میں بڑا حصہ سید احمد بریلوی کا بھی تھا. عبداللہ حسین نے رنجیت سنگھ کے طرز حکومت اور علم سے بے بہرہ ہونے پر ہلکے پھلکے انداز میں گرفت کی ہے۔

درج بالا تمام مباحث کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ عبداللہ حسین نے اپنے ناولوں میں حقیقی شخصیات کا کنایۃً ہی ذکر نہیں کیا بلکہ ان غیر متنازعہ شخصیات کا براہِ راست تذکرہ بھی کیا ہے جو سیاست سے تعلق رکھنے کے باوجود عالمگیریت کا پہلو رکھتی تھیں جن میں رنجیت سنگھ، گاندھی، قائدِاعظم اور جنرل ڈائر جیسی شخصیات شامل ہیں. اسی طرح متنازع سیاسی شخصیات ذوالفقار علی بھٹو کا ذکر اشارتاً اس طرح کیا گیا ہے کہ قاری نام لیے بغیر ہی یہ جان لیتا ہے کہ بھٹو ہی کی بابت بات ہو رہی ہے. گویا یہ تمام شخصیات حقیقت کا پرتو نہیں بلکہ خود حقیقت ہیں۔ اس تمام جائزے کے بعد یہ کہا جاسکتا ہے کہ عبداللہ حسین کے ناول تاریخی ناول نہ بھی ہوں تب بھی ان میں اپنے پورے عہد کی تاریخ کی گونج ضرور موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ناولوں میں اتنی کثیر تعداد میں مستند حقیقی شخصیات کا تذکرہ ملتا ہے۔

حوالہ جات

١۔ عامر سہیل،مرتبہ:اداس نسلیں کچھ نئے خیال، عبداللہ حسین ایک مطالعہ، لاہور: بیکن بکس، ٢٠١٦ء، ص: ١٦

٢۔ عبداللہ حسین، اُداس نسلیں ،لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ٢٠١٣ء، ص: ٢٢

٣۔ ایضاً

۴۔ ایضاً، ص: ۲۸

۵۔ عبداللہ حسین، نادار لوگ، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء، ص: ۳۸۳

۶۔ ایضاً، ص: ۳۸۷

۷۔ ایضاً، ص: ۲۴۶

۸۔ ایضاً، ص: ۲۴۸

۹۔ عبداللہ حسین، اداس نسلیں، ص: ۴۵۵

۱۰۔ ایضاً، ص: ۳۰۳

۱۱۔ ایضاً، ص: ۳۰۴

میر کا تصورِ معیشت

حافظہ عائشہ صدیقہ

Hafiza Ayesha Siddiqa

M.Phil Scholar, Department of Urdu,
Lahore Garrison University, Lahore.

Abstract:

Mir's poetry is intertwined with universal truths and ground realities.Mir's vision of the economy seems clear and deep.The hardships with which Mir lived his life is a telling proof of his economic condition.His poetry also shows clear signs of economic failure of that era.Poor people are the victims of economic turmoil in any country.Their life become miserable.Despite of being renowned poet ,Mir also faced the same situation,which he has repeatedly mentioned in his poetry.He not only lamented his helplessness but also represented the situation of the middle class of his time.Mir's vision of the economy is broad based.This research paper seeks to cover the